مولانا مہر، مولانا مودودی اور مباحثِ حدیث

امجد سلیم علوی ○

مولانا غلام رسول مہر [۱۳/اپریل ۱۸۹۳ء- پھول پور، جالندھر- ۱۶ نومبر ۱۹۷۱ء، لاہور] برصغیر میں اُردو صحافت اور تاریخ کا بڑا قابلِ احترام نام ہیں۔آپ انقلاب [اجراء: ۱۹۲۷ء] کے ایڈیٹر رہے اور متعدد کتب تصنیف کیں، جن میں سیرت امام ابن تیمیہ، سیّد احمد شہید، سرگزشت مجاہدین، جماعت مجاہدین شامل ہیں۔مولانا مہر اور عبدالمجید سالک [۱۲ ستمبر ۱۸۹۴ء، بٹالہ۔ ۲۷ ستمبر ۱۹۵۹ء، لاہور] کی رفاقت کو برصغیر کی صحافتی و ادبی تاریخ میں ایک انفرادیت و بلند مقام حاصل ہے۔ زیرنظر وہ مضمون ہے، جو انھوں نے لکھا، مگر اشاعت کی غرض سے نہیں بھیجا۔ اب بھی ہم اسے کسی بحث کے لیے نہیں، بلکہ تاریخ کے ایک مرحلے کی نشانی کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ یہاں پر مولانا مہر مرحوم کا مدیر رسالہ الاعتصام جناب محمد اسحاق بھٹی [۱۵ مارچ ۱۹۲۵ء، کوٹ کپورا، فریدکوٹ، ۲۲ دسمبر ۲۰۱۵ء، لاہور] کے نام خط اور مضمون دیے جارہے ہیں:

مسلم ٹاؤن، لاہور

۱۷ جون ۱۹۵۵ء

باسمہ سبحانہ

مکرمی!

میں نے بڑے تامل کے بعد چند سطریں آج لکھوائی ہیں۔ دو تین ہفتے سے میں مضطرب تھا۔ ان سطور کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ آپ انھیں اخبار میں چھاپیں، یا ان کا جواب دیں اور اس طرح بحث کا ایک نیا دروازہ کھلے۔ اہلِ علم کو انتہائی ضبط و تحمل سے کام لینا چاہیے۔ اعتراضات کی دو قسمیں ہیں: اول وہ اعتراضات جو قلتِ علم پر مبنی ہوں۔

○ محقق اور مولانا غلام رسول مہر کے صاحبزادے، لاہور

ان کے جواب کے لیے ہر شخص کو تفہیمی انداز اختیار کرنا چاہیے۔ دوسرے وہ اعتراضات، جو اہلِ بغی وضلالت کی طرف سے پیش ہوں۔ ان کے بارے میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں: اوّل اعتراض کے علمی پہلو کی توضیح، دوم شخصی نکتہ چینیاں یا استہزا۔ علمی پہلو کی توضیح علمی رنگ میں ضرور ہونی چاہیے، استہزا کو بہر حال نظر انداز کیا جائے گا۔

ہمارا موقف بڑا ہی کٹھن اور حد درجہ پریشان کن ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر سمت سے فتنہ وفساد کے جھکڑ چل رہے ہیں اور ہمارے پاس ہدایت کا جو چراغ ہے، اس کی لَو کو ان جھکڑوں سے محفوظ رکھے بغیر چارہ نہیں۔ اگر ہم خود بھی جھکڑ چلانا شروع کر دیں تو ظاہر ہے ہمارا مقصد فوت ہو جائے گا۔

میں نہ آپ کی طرح پڑھا لکھا ہوں اور نہ آپ کی طرح مقامِ حدیث کی اندازہ شناسی کا شرف مجھے حاصل ہے، لیکن برسوں عوامی دائرے میں تبلیغی مقاصد کی خدمت سرانجام دیتا رہا، اس بنا پر تھوڑا سا تجربہ حاصل ہو گیا۔ ممکن ہے وہ آپ کے نزدیک قابلِ اعتنا نہ ہو، لیکن میں نے مناسب سمجھا کہ وہ تجربہ آپ تک پہنچا دوں۔ اسے میری جسارت فرض کر لیجیے۔ معافی خواہ ہوں کہ باوجود قلتِ علم، اہلِ علم کے مباحث میں مداخلت کی جرأت کی۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

مولانا داؤد غزنوی [اگست ۱۸۹۵ء، امرتسر-۱۶دسمبر ۱۹۶۳ء لاہور] اور مولانا عطاء اللہ [حنیف: ۱۹۰۹ء، بھوجیاں، امرتسر-۲/اکتوبر ۱۹۸۷ء، لاہور] کی خدمت میں سلام پہنچائیے۔ اگر مولانا [محمد] اسماعیل [سلفی: ۱۸۹۵ء، ڈھونیکی، وزیرآباد-۲ فروری ۱۹۶۸ء، گوجرانوالہ] سے ملاقات ہو تو ان کی خدمت میں بھی سلام عرض کیجیے۔ میں ان سے ملنے کا آرزومند ہوں، لیکن ریحی اوجاع کی وجہ سے جسم اس آرزو کے لیے مساعد نہیں۔

نیاز مند

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی اور مباحثِ حدیث

مکرمی!

مجھے ابتدا ہی میں کہہ دینا چاہیے کہ میں کسی درجے میں بھی علم کا دعوے دار نہیں۔ میری

معلومات اور مطالعے کی فرومایگی کا یہ عالم ہے کہ اہلِ علم کی مجلس سے استفادے کی صلاحیت بھی بہت ہی محدود ہے۔ میری گزارشات ایک عامی کی گزارشات ہیں، آپ چاہیں تو انھیں ایک اَن پڑھ کی گزارشات سمجھ لیں، لیکن امید ہے آپ ان پر توجہ مبذول فرمائیں گے:

میں نے وہ مضامین پڑھے ہیں، جو آپ نے مباحثِ حدیث کے سلسلے میں مولانا مودودی کے متعلق لکھے۔ آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ مجھے مولانائے موصوف کی جماعت اسلامی سے نہ کبھی کوئی علاقہ رہا ہے، اور نہ ان کے تمام ارشادات سے مجھے اتفاق کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

مولانا [مودودی] نے جب واضح طور پر کہہ دیا کہ ''جو الفاظ مجھ سے منسوب کیے گئے [ہیں] وہ میں نے نہیں کہے'' تو پھر سمجھ میں نہ آیا کہ آپ نے اس بحث کو اس درجہ طول دینے کی ضرورت کیوں محسوس فرمائی؟ گویا آج آپ کے لیے اس کے علاوہ کوئی [اور] مسئلہ ہے ہی نہیں، جس پر توجہ فرمائی جائے!

مولانا کے محولہ بالا الفاظ کا مطلب یہی تھا کہ آپ جس مقصد کے لیے مضطرب ہیں، مولانا کو اس سے قطعاً اختلاف نہیں، اگرچہ ان کے تصور کی حیثیت وہ نہ ہو جو آپ نے اپنے دماغ میں قائم کر رکھی ہے۔ پھر کیا آپ کا مدعا یہ ہے کہ مولانا ضرور ان الفاظ کو تسلیم کریں، اور اس طرح آپ کا مقصد بوجہ احسن پورا ہو جائے؟ آخر خدمتِ حدیث کی یہ کون سی صورت ہے، جو آپ نے اختیار فرما رکھی ہے؟

ذخیرۂ احادیث کے متعلق مولانائے موصوف نے بالعموم جو رائے ظاہر کی، وہ تو ایسی نہیں کہ اس سے کسی کو اختلاف کی گنجائش ہو، یعنی یہ تو کوئی بھی نہیں مانتا کہ جو کچھ بطور حدیث مختلف کتابوں میں جمع ہو چکا ہے، وہ سب کا سب درست ہے۔ اگر صحیح البخاری کے متعلق انھوں نے یہ کہا کہ اس کی تمام حدیثیں آنکھیں بند کر کے قبول کر لینے کا دعویٰ کسی نے نہیں کیا، تو اس کا مطلب یہی ہے کہ حدیثوں کے متعلق تحقیق و تفتیش اور چھان بین کا دروازہ جس طرح پہلے کھلا ہوا تھا، اُسی طرح اب بھی کُھلا ہوا ہے۔ اس پر اعتراض کی کون سی وجہ ہے؟

رہا آپ کا یہ ارشاد کہ ''جب تک کوئی شخص علم کی وہ تمام منزلیں طے نہ کر جائے جو ان بزرگوں نے طے فرمائیں، اس وقت تک ان کے متعلق گفتگو نہیں کر سکتا''، تو حضراتِ علم و آمرانِ فقہ

بھی ہمیشہ یہی فرماتے رہے ہیں۔ یہ استدلال آپ کے نزدیک بہت وزن دار ہوگا، لیکن اس کا طبعی نتیجہ یہی ہوسکتا ہے کہ لوگ ذخیرۂ حدیث کے متعلق بدظن ہوجائیں۔

آپ یقیناً مولانا [مودودی] سے پوچھ سکتے ہیں کہ کوئی حدیث، صحیحین یا کسی دوسری کتاب میں سے ایسی نکالیے، جسے اہلِ علم نے ناقابلِ قبول قرار دیا ہو تو اس کے متعلق آپ یقیناً گفتگو فرما سکتے ہیں۔ اس قسم کی بحثیں علمی حلقے کے لیے مفید اور سودمند ہوں گی، لیکن جو طریقِ بحث آپ نے اختیار فرمایا ہے، وہ تو مجھ ناچیز کے نزدیک مضر ہی ہے، سودمند قطعاً نہیں۔

جب ایک صاحب کہتے ہیں کہ میں نے فلاں بات نہیں کی، تو آپ کو کیا حق ہے کہ ان کے خلاف شہادتیں فراہم کرتے پھریں اور اصرار کریں کہ ضرور کہی۔ آپ کیوں یہ فرض نہیں کرسکتے کہ کہنے والے کا جو مدعا تھا، آپ نے اسے غلط سمجھا یا پہلے سے آپ کے دل میں ایک بات بیٹھی ہوئی تھی اور آپ نے فاعل کے الفاظ کو اس کے سانچے میں ڈھال لیا؟ پھر جب مقصود احترامِ حدیث ہے تو وہ تو پورا ہوگیا۔ کیا آپ بحث وتمحیص سے اس مقصد کو نقصان پہنچانا چاہتے ہیں؟

میرے نزدیک مقاصد کے لیے کام کرنے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ جو اصحاب جس حد تک متفق ہوں، ان کے اتفاق کا خیرمقدم کیا جائے، اور جس حد تک انھیں اختلاف ہو، اس کے لیے تبلیغ وتعلیم کے ذریعے سے مناسب بندوبست فرمایا جائے۔ اس سلسلے میں حکمت سے کام لیا جاسکتا ہے، نیز 'موعظۂ حسنہ' سے اور اگر بحث کی ضرورت پیش آجائے، تو اس کے لیے بھی 'احسن' طریق کی شرط معلوم ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ آپ کے پُرزور مقالات یا طریقِ استدلال اس مقدس ترازو میں پورا اُترتا ہے؟

اب آپ نے ایک نیا طریقہ اختیار فرمایا ہے، یعنی یہ کہ حدیث کی چھان بین کے اصول دوحصوں میں منقسم ہیں: ایک وہ جو محدثین نے مقرر کیے، دوسرے وہ جو معتزلہ وغیرہ فرقِ ضالّہ کے وضع کردہ ہیں۔ گویا آپ صرف ان قاعدوں کے پابند ہیں، جو محدثین نے وضع کیے۔ فرقِ ضالّہ اگر کوئی چیز پیش کریں تو آپ یہ کہہ کر الگ ہوجائیں گے کہ 'ہم تو صرف محدثین کے اصول کے مطابق گفتگو کرسکتے ہیں'۔ بھلا آپ سوچیں کہ اگر سب لوگ بطور خود محدثین کے اصول وقواعد کو بے چون وچرا تسلیم کرلیں، تو پھر آپ کا وظیفہ کیا رہ گیا؟ لطف یہ کہ ان قاعدوں کی تعلیم وتبلیغ کے لیے

بھی اب تک آپ نے کچھ نہیں کیا۔

بھائی، آپ نے جو طریقہ اختیار فرمایا ہے، یہ خدمتِ حدیث کے لیے نہ صرف غیر موزوں بلکہ سراسر مضر ہے۔ آپ اس دور میں بیٹھے ہیں، جس میں لوگ حدیث کے مقام و مرتبے سے بھی آگاہ نہیں اور مخالفین نہایت نامناسب تدبیروں سے عوام کو بدظن کر رہے ہیں۔ آپ کی حالت یہ ہے کہ جو لوگ ۶۰ فی صد، ۷۰ فی صد، ۹۰ فی صد آپ سے متفق ہیں، ان کو بھی آپ برگشتہ کیے بغیر چین نہ لیں گے، یا کم از کم ایسی کیفیت ضرور پیدا کر دیں گے کہ وہ متفقہ علیہ مقاصد میں بھی آپ سے مل کر کام نہ کر سکیں۔ ازراہِ لطف و کرم معاملے کے اس پہلو پر ٹھنڈے دل سے غور فرمایئے اور وہ طریقہ اختیار کیجیے جو پیشِ نظر مقاصد کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید ہو۔

آپ حدیث کی چھان بین کے لیے اصول کو دو حصوں میں کیوں بانٹتے ہیں؟

کیوں یہ نہیں کہتے کہ کسی شے کی صحت و عدمِ صحت کی جانچ کے لیے آج تک انسان نے جو اصول وضع کیے اور جن پر اہلِ علم کا اتفاق ہے، وہ تمام اصول پیشِ نظر رکھ کر حدیثوں کی صحت و عدمِ صحت کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ فرقِ ضالّہ کے اصول اگر پختہ و پائے دار ہیں تو آپ کیوں انھیں قبول نہ کریں؟ وہ ناپختہ ہیں تو ان کی تردید کیجیے، محض درایت پر ذرا زیادہ زور دینے سے کوئی چیز باطل نہیں ہو جاتی۔ درایت کی بھی حدود و قیود ہیں۔ آپ کیوں درایت سے گھبراتے ہیں؟ مجھے تو کبھی کسی چیز کے متعلق تشویش نہیں ہوئی۔

اگر ہمارا یقین ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ روشنی اور نور ہے، تو اندھیرا کسی بھی شکل میں ہمارے سامنے آئے، ہم اس سے کیوں پریشان ہوں؟ اگر خدانخواستہ ہماری روشنی ایک خاص شیشے اور عینک کے بغیر نظر نہیں آسکتی، تو بھائی! یقین رکھیے کہ ہم اس روشنی کو کسی بھی گروہ تک پہنچا نہیں سکتے۔ وہ مدھم ہوتے ہوتے خود ہی ختم ہو جائے گی۔ خدا نہ کرے کہ مآخذ دین میں سے حدیث جیسے اہم مآخذ کے متعلق کسی مسلمان کا یہ عقیدہ ہو۔ اگر ہم فتنہ انکارِ حدیث کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس سلسلے میں حدیث کو چھوئی موئی بنا لینے سے تو گزارا نہ ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ گزارشات آپ کو کسی قدر تلخ معلوم ہوں، لیکن اُمید ہے کہ ان پر غور فرمانے کی زحمت آپ ضرور گوارا کر لیں گے۔